سمرپن

شیرِ کشمیر

شیخ محمدؐ عبداللہ

"یُگ سنت سوامی رام تیرتھ کی تصنیف "سیرِ کشمیر" کو شائع کرنے کے لئے مدعو کرنے والے جموّں و کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ و سوامی رام تیرتھ میموریل سوسائیٹی (جموّں و کشمیر) کے سابق صدر اور سوامی رام تیرتھ میموریل والیوم کمیٹی (یُگ سنت رام تیرتھ گرنتھ سمتی) سہارن پور (اُتّر پردیش) کے نیک اندیش شیرِ کشمیر مرحوم شیخ محمدؐ عبداللہ کی یاد میں "سیرِ کشمیر" کی یہ کتاب سادر سمرپت ہے۔ ● — (کیدار ناتھ پربھاکر)

یگ سنت رام تیرتھ گرنتھ سمتی کی تیسری بھینٹ

سیرِ کشمیر

مصنّف

سوامی رام تیرتھ

پیش کردہ

کیدار ناتھ پربھاکر

رام تیرتھ کیندر

سہارن پور - اتّر پردیش (بھارت)

شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی یاد میں۔

راشٹر پتا مہاتما گاندھی کے ۱۱۶ ویں جنم دن پر شائع کی گئی

सेर-ए-कश्मीर سیرِ کشمیر SERE KASHMIR

- مصنف: — سوامی رام تیرتھ
- صلاح کارِ اعلیٰ:۔ ڈاکٹر کنہیا لال مصر "پربھاکر" ڈی۔ لٹ
- پیش کردہ: — کیدار ناتھ پربھاکر
- تعاون: — شری سریندر پال (بی۔ کے۔ بٹیل ورکس) بمبئی و جگادھری
- پبلشر: — بھارتیہ جیوتر وگیان انوسندھان سنستھان سوامی رام تیرتھ نگر سہارن پور (اتر پردیش)۔ بھارت۔ فون 4415،
- ایڈیشن: — پہلا — (ایک ہزار کاپیاں)
- سال: — شاکا ۱۹۰۴ — عیسوی ۱۹۸۲
- قیمت: — پانچ روپیہ RS 5/-
- کتابت: — شیخ رضوان احمد - ایم۔ اے۔، ساہتیہ رتن۔ سہارنپور
- طباعت: — نامی پرنٹنگ پریس۔ سہارن پور

- معاونین ادارہ:۔ شامِ بہار (انڈو پاک مشاعرہ) ٹرسٹ۔ انبالہ چھاونی۔
(چیرمین۔ شری آر۔ ایل۔ ملہوترہ)
شیخ الہند مولانا محمود الحسن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ سہارن پور
(ڈائریکٹر پروفیسر محمد سلیمان۔ ایم۔ اے)

- معاون کتب:۔
  - پرم ہنس سوامی رام تیرتھ (مولف شری رامچندر) دہلی سنہ ۱۹۱۰ء
  - رام پتر یعنی خطوطِ رام (مرتبہ شری نارائن سوامی پبلشر لالہ ماسٹر امیر چند) دہلی سنہ ۱۹۱۷ء
  - سوانح حیات شری سوامی رام تیرتھ (لیکھک گوسوامی برج لال) مُرالی والا سنہ ۱۹۴۲ء
  - مہابھارت۔ نیل مت پران۔ راج ترنگنی۔ مہابھارت کی سمالوچنا۔ بھارتیہ اتہاس کی بھینکر بھولیں۔ منورم کشمیر۔ بھارت درشن (کشمیر) اردو ڈائجسٹ اقبال نمبر۔

اوم

از قلم :- کیدارناتھ پربھاکر

تمہید

ستی سر-کشیپ پیرا-اور کشمیر

لاکھوں برس پہلے کی بات ہے کہ کشمیر کی موجودہ وادی کی جگہ ایک بہت بڑی جھیل تھی جس کا نام ستی سر تھا نہ صرف کشمیر کے پراچین سنسکرت گرنتھوں جیسے نیل مت پُران اور راج ترنگنی وغیرہ میں اس جھیل کے متعلق ذکر ملتا ہے۔ بلکہ برٹش انسائیکلو پیڈیا میں بھی قدیم زمانہ کی اس جھیل کے متعلق جانکاری دی ہوئی ہے۔ دُنیا کے مشہور جیالوجسٹ مسٹر فریڈرک ڈریو نے تو دُنیا کی اس قدیم ترین جھیل کی گہرائی تک کی کھوج کر ڈالی ہے جو لگ بھگ 2000 فٹ تھی۔

قدیم زمانہ میں آریہ ورت میں ایک بہت بڑے ویدک رشی ہوتے ہیں۔ جن کا نام تھا کشیپ۔ مہرشی کشیپ اس زمانہ کے ویدک ایکسپلورر (VEDIC EXPLORER) کہلاتے تھے اور ان کا آشرم موجودہ کیشپین ہی (CASPIAN SEA) کے تٹ پر تھا۔ کشپین ہی کا اصلی نام کشیپ ساگر تھا کیونکہ اِس کی کھوج مہرشی کشیپ نے ہی کی تھی۔ مہرشی کشیپ کا آشرم بعد میں آریہ ورت کی ایک نو آبادی (کالونی) کی شکل میں بدل گیا اور وہاں پر انھیں کے پریوار کے لوگوں نے جو کشیپ کہلاتے تھے یہاں اُسُر سامراجیہ کی بنیاد رکھی۔ اُسر سامراجیہ موجودہ ٹرکی۔ لبیا۔ سیریا۔ مصر۔ عراق۔ اور ایران وغیرہ تک پھیلا ہوا تھا سیریا تو اُسُریا یعنی اسُروں کا دیش کا ہی بدلا ہوا نام ہے۔ یہاں ہرنیہ کشیپ اِس سامراجیہ کا پہلا حکمراں تھا۔ جس کا ذکر یونانی اِتہاس کاروں نے ہیر کنیا (HERCANIA) کے نام سے کیا ہے۔ پراچین بھارتیہ گرنتھوں جیسے مہابھارت اور پُرانوں وغیرہ میں ہرنیہ کشیپ اور اُس کے بیٹے پرہلاد

اور اُسکے پوتے سمراٹ بلّی کی کہانیاں ملتی ہیں۔ دُنیا کی قدیم ترین تہذیب کا مرکز کہلانے والی بیبلونیا اور میسوپوٹامیہ پراچین آریہ ورت سے آئے ہوئے اسروں کی ہی نگریاں تھیں جو ویدوں میں بتائی ہوئی اُودیا (سائنس) میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے اس زمانہ کے اسروں اور آریہ ورت کے رشیوں نے مہرشی کشیپ کے سنمان میں آسمان کے ایک تارا منڈل کا نام کیشپی رکھ دیا تھا جو آج بھی کشوپیا کے نام سے مشہور ہے۔

اِنھیں مہرشی کشیپ نے ہی ہمالیہ کی گود میں واقع ستی سر کا پانی باہر نکالنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ لگ بھگ 80 × 25 میل لمبی چوڑی اِس جھیل کے خشک ہو جانے سے جو دھرتی کا ٹکڑہ باہر نکلا اُس کا نام اس زمانہ میں مہرشی کشیپ کے نام پر کشیپ میرا رکھا گیا جو رفتہ رفتہ بدل کر آج کشمیر یا کاشمیر ہو گیا ہے۔ یونانی لیکھکوں نے بھی اِس جگہ کا نام اپنی زبان میں کشپیر الیعنی کشیپ میرا ہی لکھا ہے۔

ناگ اور کشمیر

پراچین زمانہ میں موجودہ بھارت ورش تین کھنڈوں (حصّوں) میں بانٹا ہوا تھا جسے تین لوک کہلاتے تھے اور جنھیں ملاکر ترلوکی پکارا جاتا تھا۔ یہ تین لوک تھے دیو لوک۔ آریہ لوک۔ اور پاتال لوک۔ دیو لوک ہمالیہ میں تھا جس کا دوسرا نام ترِوِشٹپ تھا جسے آجکل تبت کہتے ہیں۔ آریہ لوک ہمالیہ کے نیچے کے حصّے میں تھا جو موجودہ اتر پردیش سے افغانستان تک پھیلا ہوا تھا اِس کا دوسرا نام آریہ ورت تھا۔ پاتال لوک آریہ ورت کے نیچے تھا جو موجودہ مہاراشٹر اور عرب ساگر کے ساتھ لگنے والے علاقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کا دوسرا نام کونکن دیس تھا۔ اِن تینوں لوکوں میں تین جاتیاں۔ دیو۔ آریہ اور ناگ رہتے تھے آریوں اور دیوں کے آپسی تعلق بہت اچھے تھے جبکہ ناگوں اور آریوں کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ویسے آریہ اور ناگ جاتی کے لوگ آپس میں ملتے جلتے تھے اور ان کی آپسی رشتہ داریاں بھی تھیں۔ جیسے ارجن کی ایک بیوی ناگوں کی بیٹی تھی جس کا نام الوپی تھا۔

ناگ جیتی کے لوگ ایشور کو ناگ (سرپ یا سانپ) کی شکل میں شیش بھگوان مانتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی بھارت ورش میں ناگوں یعنی سانپوں کی پوجا کی

جاتی ہے اور اس کے لئے ایک خاص تہوار بھی رکھا گیا ہے جس کا نام ہے ناگ پنچمی۔
در اصل میں ناگ جاتی اور سرپ یعنی ناگ یہ دونوں الگ الگ نام ہیں لیکن چونکہ ناگ لوگ ہر کام میں پہلے سرپوں کی پوجا کرتے تھے اسلئے بعد میں انھیں بھی لوگ سانپ ماننے لگے اور ناگ جاتی کو بھول گئے۔

پراچین کشیپ میرا (کشمیر) میں ناگ جاتی کے لوگوں نے کئی ہزار سال تک رہائش رکھی اور وہاں پر حکومت بھی کی۔ کشمیر میں ناگ لفظ کا مطلب آج پانی کے چشمے یا جھیل سے لیا جاتا ہے۔ یوں تو ناگ لوگ پاتال لوک میں ہی رہتے تھے۔ مگر آریہ جاتی کے لوگوں کی طرح وہ بھی دوسرے استھانوں پر جاکر اپنی نو آبادیاں بناتے تھے۔ ایسے ہی انہوں نے موجودہ دلّی اور متھرا کے آس پاس جمنا کے جنوبی کنارے پر اور کشمیر میں ایک نو آبادی قایٔم کی تھی آریہ جاتی کے ارجن نے دلّی کے نزدیک ناگ نو آبادی کھانڈوبن کو جلا کر راکھ کر دیا تھا اور وہاں پر کھانڈو پوری (اندرپرست) بسایا تھا بھگوان سری کرشن نے بھی متھرا کے پاس رہنے والے کالی ناگ کا خاتمہ کیا تھا۔ ناگ یودھا اشوسین نے اسی وجہ سے ارجن کو ختم کرنے کی سکیم تیار کی تھی جس میں وہ بیچارا خود ہی مارا گیا تھا پھر اس کا بدلہ تکشک ناگ نے ارجن کے پوتے پرکھشت کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنے سے لیا تھا جس کا ذکر بھاگوت پوران میں آتا ہے۔ پرکھشت کے بیٹے جنمیجے نے اپنے باپ کی موت کے بدلے میں کھلے عام ناگوں کا قتل عام کروایا تھا جسے ناگ یا سرپ یگیہ کہتے ہیں۔

ناگوں کا جو قبیلہ کشمیر میں داخل ہوا۔ ان میں واسوکی ناگ۔ تکشک ناگ۔ کرکوٹک ناگ۔ سنکھ ناگ۔ کوکر ناگ۔ پدم ناگ۔ نیل ناگ اور ننت ناگ وغیرہ وغیرہ پر مکھ ناگ نایٔک تھے۔ ناگوں کے ان پرمکھ نایٔکوں (راجاؤں) نے چونکہ کشیپ میرا میں آکر پانی کے چشموں اور جھیلوں کے کناروں پر اپنی رہائش رکھی اسلئے آج بھی کشمیر میں چشموں اور جھیلوں کو انھیں ناگ راجاؤں کے نام سے پکارا جاتا ہے جیسے اننت ناگ۔ نیل ناگ (ویری ناگ)، شیش ناگ۔ کوکر ناگ، پدم ناگ (ولر جھیل)

کوثر ناگ اور واسکی ناگ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اشوک کے زمانہ میں ناگ لوگوں نے بدھ دھرم اختیار کر لیا تھا اُسوقت میں ارجن ناگ (ناگا ارجن) بہت بڑا عالم اور فاضل ہوا ہے۔ کشمیر کے خوبصورت باغات جیسے شالامار اور نشاط وغیرہ وغیرہ بھی انھیں ناگ لوگوں کے بنوائے ہوئے ہیں۔ شالامار کا سنسکرت نام تھا۔ شالی مارگ یعنی جہاں راستہ کے دونوں طرف شالی (سنسکرت اور کشمیری میں چاول) کے کھیت لہراتے ہوں اس راستہ یا اُس جگہ کا نام شالی مارگ تھا۔ آج بھی کشمیر میں سون مرگ (قدیم نام سوُن مارگ یعنی سُنہری راستہ) اور گلمرگ (قدیم نام گوری مارگ) موجود ہیں۔ اسی طرح جہاں ناگ لوگ آدھی رات کے بعد یعنی الصبح سیر کرنے آتے تھے اس جگہ کا نام تھا۔ نشانت۔ سنسکرت میں رات کو نشا کہتے ہیں اور آخری حصّہ کو انت کہتے ہیں وہ نشانت ہی بدلتے بدلتے نشاط ہو گیا۔ اسی طرح ڈل جھیل کا نام سنسکرت میں دَل ہے۔ دَل کا مطلب ہوتا ہے۔ پتّا اور وہ بھی خاص طور پر کنول پھول کا پتّا۔ چونکہ اس جھیل کا پانی ہواؤں کے جھونکے سے اس طرح ہلتا تھا جیسے کنول کے پھول کا پتّا (دَل) ہلتا ہے۔ اور دوسرے اس جھیل میں کنول کے پھوُل بے شمار پیدا ہوتے تھے اسلئے ناگ لوگوں نے اس سرو ور کا نام "دَل" رکھ دیا جو بعد میں بدل کر ڈل ہو گیا اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کشمیر کے ساتھ ناگ جاتی کا ہزاروں سال تک گہرا تعلق رہا ہے جسے ہم آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کشمیر میں آباد ناگ جاتی ایکدم کہاں چلی گئی۔ اس کا آج تک پتہ نہیں چلا ہے کیونکہ ناگوں کا کشمیر میں ایکدم ہی صفایا ہو گیا۔ لیکن ان کی یادیں جو آج بھی ہندوؤں میں ناگ یا سَرپ پوُجا کے رُوپ میں ہیں موجود ہیں۔ ۰

مہاراجہ للتا آدتیہ اور سُلطان زین العابدین

کشمیر پر ہندوؤں کا راج سن عیسوی کی چودھویں صدی کی پہلی چوتھائی تک رہا ہے۔ مہا رانی کوٹا دکوٹا رانی) کشمیر کی آخری ہندو حکمران تھی۔

کلہن نے جو کشمیر کا اِتہاس (راج ترنگنی) سن عیسوی ۴۹ - ۱۱۴۸ میں لکھا اُس میں کشمیر کے پہلے راجہ کا نام گونند اوّل بتایا گیا ہے جسے مہا بھارت کی لڑائی سے پہلے بھگوان کرشن کے بھائی بلرام نے مگدھ کی لڑائی میں مار ڈالا تھا کیونکہ وہ مگدھ نریش جراسندھ کا رشتہ دار تھا۔ مہا راجہ گونند سے پہلے بھی کشمیر پر کئی راجاؤں نے حکومت کی ہوگی۔ لیکن ان کا کوئی ریکارڈ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ یوں تو اس لمبے عرصہ میں یعنی لگ بھگ ۲.۳۱ قبل از مسیح سے راجہ ہرش بارہویں صدی (عیسوی) کے وسط تک) تک بڑے بڑے نامور راجاؤں جیسے سمراٹ سندھین (جس کی حکومت موجودہ قندھار سے قنوج تک پھیلی ہوئی تھی) اشوک اعظم (سمراٹ اشوک) سمراٹ کنشک اور سمراٹ وکرمادتیہ (جس کی حکومت دریائے نربدا سے لیکر عرب تک پھیلی ہوئی تھی) نے کشمیر پر حکومت کی۔ لیکن کارکوٹ خاندان کا حکمران مہاراجہ للتا دتیہ (۷۳۷ سے ۷۶۰ء تک) تھا جس کی حکومت کا زمانہ سُنہری حرفوں میں لکھا رہے گا۔ کشمیر کے اس بہادر اور لائق ذوفراخدل راجہ نے شمال میں تبت۔ بدخشاں۔ تُرکستان (ترکی) — افغانستان اور پنجاب سے لیکر قنوج تک کے علاقہ میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ چین کے راجہ بھی اُس کا لوہا مانتے تھے۔ للتا آدتیہ کے عہد میں شیوئمت ماننے والے ہندوؤں اور بُدھ مت کے ماننے والے بودھوں کے ساتھ یکساں برابری کا سلوک کیا جاتا تھا۔ کشمیر کے راجہ ہرکُل کے زمانہ میں جتنے ظلم بودھ بھکشوں اور بودھ دھرم کے ماننے والے دوسرے لوگوں پر کئے گئے تھے۔ للتا آدتیہ نے اُنھیں اتنا ہی پیار' اور دھرم کے معاملوں میں مکمل آزادی دیکر اس کلنک کو کشمیر کے ماتھے سے دھو دیا۔ اسکے عہد میں کشمیر میں سنسکرت ادب اور فائن آرٹ نے بہت ترقی کی۔ کشمیر کا مشہور مارتنڈ مندر اسی کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ۴۰۹ فٹ لمبے اور ۳۸۹ فٹ چوڑے اور لگ بھگ ۱۰۰ فٹ اُونچے بھگوان سوریہ کے اِس مندر کو مہاراجہ للتا آدتیہ نے کشمیر کے مشہور مارتنڈ تیرتھ (موجودہ مٹن)

میں بنوایا تھا جس کے کلش پر ایک بڑا ہیرا (منی) جڑا ہُوا تھا۔ جو سیکڑوں میل سے چمکتا تھا کشمیر کے مُسلمان راجہ سکندر بُت شکن نے اِسے توڑ ڈالا تھا اور اِس کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں۔

کشمیر میں مُسلم حکومت کی بُنیاد صدرالدین نے سن عیسوی کی چودھویں صدی کی پہلی چوتھائی کے بعد کتی تھی۔ لیکن شاہ میر (شمس الدین) کو کشمیر کا پہلا مُسلم حکمراں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ کشمیر کے ہندو راجہ سُوہبہ دیو (۱۳۰۱ سے ۱۳۲۰ عیسوی تک) کے زمانہ میں رینچن نام کا ایک ہندو تبّت سے بھاگ کر کشمیر میں آیا تھا جس نے راجہ سوہبہ دیو کے سیناپتی راجندر کی بیٹی کوٹا رانی سے شادی کی تھی۔ رینچن نے اِسلام قبُول کر لیا تھا اور اِس کا نام صدرالدین رکھا گیا تھا۔ کوٹا رانی نے اپنا مذہب تبدیل کرنے سے اِنکار کر دیا تھا اور چنانچہ کچھ عرصہ کشمیر پر حکومت کرنے کے بعد کوٹا رانی نے خودکشی کر لی تھی۔ کوٹا رانی کی موت کے بعد بھی کشمیر کی حکومت شاہ میر کے ہاتھ آئی اور تب سے لیکر ۱۸۱۹ء تک یعنی شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جب کشمیر کو جیت کر اُس پر اپنی حکومت قائم کرلی تب تک یکے بعد دیگرے کشمیر کے تخت پر مسلمان بادشاہ حکومت کرتے رہے۔ مُسلم حکومت کے اِس لمبے عرصہ میں یوُں تو ایک سے ایک نامور حکمراں دھرتی کے اِس بہشت پر حکمرانی کرتے رہے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرت اور نیک نامی صرف زین العابدین کو حاصل ہے۔ بڈشاہ اِسی بادشاہ کا دوسرا نام تھا۔ اس مسلم راجہ کا عہد ۱۴۲۰ء سے ۱۴۵۰ء تک رہا ہے جسے کشمیر کی ہسٹری میں سُنہری زمانہ کہا جاتا ہے۔ بڈشاہ کے زمانہ میں جو ترقی اور عروج کشمیر اور کشمیری لوگوں کو مِلا ہے قابلِ تعریف ہے۔

زین العابدین کے زمانہ سے پہلے کشمیر میں ہونے والے حکمراں سکندر (بُت شکن) نے کشمیر کے ہندوؤں پر اندھا دھند ظلم ڈھائے تھے۔ للتا دتیہ کا بنوایا ہوا مارتنڈ مندر اور دیگر کئی ایک مندر اور تواریخی عمارتوں کو اُس نے مسمار کر دیا تھا۔ اہلِ ہنود اُسکے ڈر کے مارے کشمیر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بڈشاہ نے اپنی حکومت میں کشمیر

چھوڑ کر بھاگے ہوئے کشمیری پنڈتوں کو تلاش کروا کر اُنھیں واپس اپنے وطن آباد کیا۔ اُنھیں رہنے کو مکان دیئے اور روزگار دیئے۔ اُن کے مندروں کی مرمت کروائی۔ اُس نے سنسکرت و شارداد (کشمیر کی قدیم بھاشا) کی تعلیم کے لئے پاٹھ شالائیں کھولیں غرضیکہ اُنھیں دوبارہ کشمیر میں آباد کیا۔ کشمیر میں قالین، ریشم اور پیپر میشی کی انڈسٹری کو بڈشاہ نے ہی غیر ملکوں سے رابطہ قائم کرکے رائج کیا تھا۔ اُس کی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں دائیں اور بائیں آنکھیں تھیں۔ مُلّا احمد نام کے ایک عالم نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ بھی اِسی زمانہ میں کیا تھا۔ بڈشاہ کو اکبر اعظم کا پیش رو بھی کہا جاتا ہے۔

سوامی رام تیرتھ اور کشمیر

سوامی رام تیرتھ لگ بھگ پونے چھبیس سال کی عمر میں کشمیر کی سیر کرنے اگست ۱۸۹۹ء میں گئے تھے۔ اُن دِنوں آپ کرسچین کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر تھے اور تب آپ کا نام پروفیسر تیرتھ رام گوسوامی ایم۔اے تھا۔ سوامی رام تیرتھ کشمیر جانے سے ایک سال پہلے یعنی اگست ۱۸۹۸ء کو ہردوار کی یاترا پر گئے تھے جہاں اُنھیں رشی کیش کے نزدیک تپوبن (برہم پوری) میں آتم درشن (عرفان وصال) یعنی SELF REALIZATION ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر وقت مستی میں ڈوبے رہتے تھے۔ اُن کا جسم تو ضرور لاہور میں ہوتا تھا۔ اور وہ کالج بھی روز انہ پڑھانے جاتے تھے لیکن اُن کا دِل وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔ عالم مستی میں کھوئے رہتے تھے۔ اُنھیں دِنوں وہ ایک شعر کہا کرتے تھے ؎

دِل کے جانے کی خبر عاقل کی کیا جانے بَلا
کِس طرح جاتا ہے دِل بیدل سے پُوچھا چاہیئے

چنانچہ جب اگست ۱۸۹۹ء میں کالج بوجہ گرمیوں کی چھٹیوں کے بند ہوا تو آپ اکیلے لاہور سے کشمیر کے لئے چل دیئے۔ اُن دنوں سرینگر براستہ راولپنڈی جایا جاتا تھا۔ راولپنڈی (موجودہ پاکستان) سے لاری (بس) کے ذریعہ کوہ مری اور بارہ مولا ہو کر سرینگر پہنچا جاتا تھا یہ راستہ اُن دِنوں جموں سے سرینگر جانے کی بہ نسبت آسان

اور آزادی ذرہ تھا۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا موزوں ہی ہوگا کہ کشمیر جانے سے پہلے سوامی رام تیرتھ سنہ ۱۸۹۵ء کے آخری مہینوں میں ویشنو دیوی کی یاترا کر آئے تھے۔ میں نے اپنی لکھی ہوئی سب سے پہلی کتاب "شری ویشنو دیوی یاترا" میں اس کا ذکر کیا ہے (بھارت میں ماتا ویشنو دیوی کے نام سے جو سب سے پہلی فیچر فلم بمبئی میں بن کر تیار ہوئی تھی اُس کی کہانی اِسی کتاب سے لکھی گئی تھی)۔ اُن دِنوں آپ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ (پنجاب۔ پاکستان) میں سیکنڈ ماسٹر تھے۔ علاوہ اِسکے جموں و کشمیر کے اُس زمانہ کے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے بھی آپ کو خود کشمیر کی سیر کرنے کا دعوت نامہ دیا تھا۔ یہ واقعہ وسط جون سنہ ۱۸۹۶ء کا ہے جب سوامی رام تیرتھ لاہور سے جموں تشریف لائے تھے۔ اُن دِنوں دوارکا مٹھ (گجرات) کے شنکر آچاریہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی پرارتھنا پر لاہور سے جموں گئے تھے اور چونکہ شنکر آچاریہ کا لاہور میں قیام کے دِنوں میں پروفیسر تیرتھ رام کو سوامی سے بہت پیار ہو گیا تھا لہٰذا وہ اُن کے درشن کرنے ۱۳ر جون سنہ ۱۸۹۶ء کو لاہور سے جموں گئے تھے اُسی دوران میں دوارکا مٹھ کے شنکر آچاریہ جو اس زمانہ کے بہت ہی وِدوان سنیاسی تھے نے اِن کی ملاقات مہاراجہ پرتاپ سنگھ سے کروائی تھی۔ جموں و کشمیر کے مہاراجہ نے پروفیسر تیرتھ رام گوسوامی کو دیکھتے ہی اُنھیں جموں و کشمیر ریاست میں انسپکٹر آف سکولز کی پوسٹ (نوکری) کو زینت بخشنے کے لئے عرض کی تھی کیونکہ مہاراجہ ان کے دیدار سے اسقدر متاثر ہوئے تھے کہ اُنھیں کسی نہ کسی طریقہ سے اپنے پاس بُلا لینا چاہتے تھے اُن دِنوں انسپکٹر آف سکولز کی پوسٹ ریاست کے محکمہ تعلیم کی سب سے اعلیٰ نوکری ہوا کرتی تھی لیکن سوامی رام تیرتھ نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں تو ہر وقت آپ کے پاس ہی رہتا ہوں۔ آپ مجھے اِس طرح نوکری میں کیوں جکڑنا چاہتے ہیں۔ اس پر مہاراجہ صاحب لاجواب ہو گئے اور پھر انہوں نے انھیں کشمیر کی سیر کرنے کا دعوت نامہ دیا جسے سوامی رام تیرتھ نے قبول کر لیا لیکن جب وہ کشمیر تشریف لے گئے تو انہوں نے اس بارے میں مہاراجہ کو خبر تک نہ دی اور اپنی

مستی میں لگ بھگ دو ماہ تک کشمیر میں گھومتے پھرتے رہے کیونکہ کہا کرتے تھے۔

شاہوں کو رعب اور حسینوں کو حسن و ناز
دیتا ہوں جب کہ دیکھوں اُٹھا کر نظر کو میں

سوامی رام تیرتھ سرینگر میں لالہ فتح چند کے مکان پر چند روز ٹھہرے تھے لالہ فتح چند دفتر ریذیڈنسی سری نگر میں سیکنڈ کلرک تھے۔ سری نگر میں آپ کچھ دنوں تک لالہ منگومل کے مکان پر بھی قیام فرمایا تھا جو اس زمانہ میں سرینگر میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ یہ دونوں صاحبان آپ کی صحبت (ست سنگ) سے بہت فیضیاب ہوئے تھے اور انھیں کے بندوبست سے آپ نے سری نگر میں کئی ایک لیکچر بھی دیئے تھے جس کا اثر وہاں کے مسلمانوں اور ہندو جنتا کے دلوں پر بہت گہرا پڑا تھا۔

سوامی رام تیرتھ جن دنوں سرینگر میں ٹھہرے ہوئے تھے اُنھیں دنوں امرناتھ جی کی یاترا جسے چھڑی مُبارک کہتے ہیں سرینگر سے ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ بھی اُسی یاترا میں شامل ہوگئے اور ۱۲ اگست سوموار ۱۸۹۹ء کو آپ نے چھڑی مبارک کے ساتھ پیدل یاترا کرتے ہوئے بھگوان امرناتھ کے برف کے بنے ہوئے قدرتی شولنگ کے درشن کئے۔ پہلگام سے بلکہ چندن واڑی سے امرناتھ تک خاص طور سے دشوار پہاڑی راستوں سے ہوکر گذرنا اور میلوں برف پہ چلنے و پیدل راستے کے دونوں طرف پیدا ہوئی جڑی بوٹیوں کی نشیلی ہوا سے جو پریشانی ایک یاتری کو ہو سکتی ہے سوامی رام تیرتھ نے اُس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے

چڑھائی مصیبت۔ اُترنا یہ مشکل۔ پھسلنی برف تِس پہ آفت یہ بادل
قیامت یہ سردی کہ بچنا ہے باطل، یہ بوٗ بوٹیوں کی کہ گھبرا گیا دِل

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سوامی رام سرینگر سے امرناتھ کی پوتر گپھا تک جو کہ سطح سمندر سے ساڑھے بارہ ہزار فٹ کی اونچائی پر واقعہ ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے ساڑھے چودہ ہزار فٹ کی سطح سمندر سے اونچائی پر واقعہ مہاگنیش

(جیسے کشمیری میں تہاگنس کہتے ہیں۔) کو پار کرنا پڑتا ہے۔ تمام راستے ننگے پاؤں گئے اور انہوں نے اپنے جسم پر صرف ایک دھوتی اوڑھی ہوئی تھی جو آدھی ان کی کمر کے نیچے تھی۔ اور آدھی ان کے کندھوں پر تھی۔ قدرت یعنی دلکش قدرتی نظاروں کو مخاطب کرتے ہوئے یہیں پر اُنہوں نے کہا تھا ؎

نشے میں جوانی کے معشوق نیچر ⁂ ہے لیٹی ہوئی رام سے مست ہو کر

اُن کا یہ عالم اُس وقت تھا جب ابھی انہوں نے نہ تو گھر بار چھوڑا تھا اور نہ ہی سنیاس لیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں وہ پنجاب کے ایک نامور کالج کے پروفیسر تھے۔

شری امرناتھ کی یاترا سے جب سوامی رام تیرتھ واپس آئے تو وہ دو چار روز کے لئے مٹن میں ٹھہرے تھے۔ یہاں کے پنڈوں کے کھاتوں میں اُن کا ریکارڈ درج ہے جس میں اُنہوں نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے۔

TIRATH RAM GOSWAMI M.A. CAME TO VISIT AMAR NATH IN AUGUST 1899

"تیرتھ رام گوسوامی ایم۔ اے امرناتھ کی یاترا کو آئے اگست ۱۸۹۹ء میں"

مٹن سے وہ پیدل اننت ناگ ہوتے ہوئے کوکرناگ چل دیئے جہاں وہ چند روز ٹھہرے تھے۔ کوکرناگ میں رہنا سوامی رام تیرتھ کو بہت ہی اچھا لگا تھا کیونکہ یہاں پر دلفریب پہاڑی نظاروں کے علاوہ خوبصورت چشموں اور گھنے درختوں کے درمیان ایکانت میں مست پڑے رہنا اُنھیں بہت ہی بھاتا تھا۔ کوکرناگ سے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کرتے ہوئے اننت ناگ واپس آئے تھے۔ آپنے اننت ناگ سے سرینگر تک یا سری نگر سے اننت ناگ تک براستہ دریائے جہلم کشتی میں بھی سفر کیا تھا اِس کا اُنہوں نے خود اپنے قلم سے ذکر بھی کیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ سوامی رام تیرتھ امرناتھ کی یاترا کے بعد اننت ناگ سے سرینگر تک کشتی میں سوار ہو گئے ہوں لیکن سرینگر سے اننت ناگ تک دریائے جہلم۔ کیونکہ اننت ناگ سے سرینگر کی طرف بہتا ہے اسلئے سرینگر سے اُلٹے اننت ناگ کشتی میں آنا کچھ عجیب سا لگتا ہے البتہ اننت ناگ سے سرینگر جانے کی بات تو

سمجھ میں ضرور آتی ہے۔

اننت ناگ سے سوامی رام تیرتھ کھنابل ہوتے ہوئے کُلگام آگئے تھے۔ کُلگام سے شُپیاں ہوتے ہوئے کشمیر کی پُر بہار اور خوبصورت جھیل اُہربل اور کوثر ناگ کی سیر کرتے ہوئے براستہ راجوڑی۔ نوشیرہ اور بھمبر ہوتے ہوئے گجرات (پنجاب پاکستان) آگئے اور وہاں سے گوجرانوالہ اور پھر اپنے گاؤں (جنم استھان) مُرالی والی ہوکر واپس لاہور چلے آئے تھے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سوامی رام تیرتھ کشمیر سے جس راستہ سے یعنی نوشہرہ بھمبر اور گجرات وغیرہ سے واپس آئے تھے عہدِ مُغل یعنی مغل بادشاہوں کے زمانہ میں کشمیر جانے کا یہی ایک راستہ تھا۔ جموں سے کشمیر جانے کا راستہ تو ڈوگرہ راجاؤں کے زمانہ میں شروع ہوا تھا اور راولپنڈی سے کوہ مری اور بارہ مولہ ہوکر کشمیر جانے کا راستہ سِکھوں کے عہد میں آمدورفت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جس کو بعد میں انگریزی حکومت نے بھی جاری رکھا۔

سوامی رام تیرتھ نے کشمیر کی یاترا کا حال کشمیر میں بیٹھ کر یا لاہور واپس آکر بہ زبانِ اُردو قلمبند کیا تھا جس کا عنوان ہے "سیرِ کشمیر"۔ اُنہوں نے اپنے اس چھوٹے سے مضمون میں کشمیر کی خوبصورتی کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ مثال کے طور پر اُنہوں نے کشمیر کے دلفریب نظاروں خوشنما پہاڑوں خوبصُورت چشموں اور آبشاروں اور سرسبز کھیتوں و سایہ دار درختوں اور خوشگوار ہواؤں کا ذکر ایک ہی شعر میں کرکے تمام کشمیر کی خوبصُورتی کو کوزہ میں سمندر کی طرح بند کردیا ہے۔ ؎

ہوائے خوش۔ فضائے خوش۔ صدائے آبشارِ خوش
بہارِ خوش۔ نگارے خوش۔ چنارِ سایہ دارِ خوش

کشمیر کی خوبصورتی کو بیان کرتے وقت اُن کی رُوحانی مستی کی بھی چھاپ اُن کی قلم سے عیاں ہورہی ہے۔ اُنھیں ہر جگہ اور ہر نظارے میں قدرت کی شکل میں اپنا ہی محبوب

یعنی پرماتما (خدا) اپنی ہی آتما کی شکل میں نظر آتا ہے ؎

جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں
میں اپنی ہی تاب اور شان دیکھتا ہوں

چشمے سے نکل کر دریا کی شکل میں بہتے ہوئے پانی میں بُلبلہ (حباب) کو دیکھ کر اُنہیں آتما اور پرماتما کی یک رنگت یعنی یہ دونوں ایک ہی ہیں نظر آنے لگتی ہے اور وہیں پر وہ مستی سے گانے لگتے ہیں :- ؎

دریا سے حُباب کی ہے یہ صدا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
مجھ کو نہ سمجھ اپنے سے جُدا تم اور نہیں ہم اور نہیں
جب غنچہ چمن میں صبح کو کِھلا، تب کان میں گُل کے یہ کہنے لگا
ہاں آج یہ عقدہ ہے ہم پہ کُھلا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
آئینہ مقابل رُخ جو رکھا۔ جھٹ بول اُٹھا یوں عکس اُسکا
کیوں دیکھ کے حیراں یار ہوا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
ناسُوت میں آکے یہی دیکھا۔ ہے میری ہی ذات سے نشوونما
جیسے پُنبہ کا تار سے ہو رشتہ۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
تو کیوں سمجھا مجھے غیر بتا۔ اپنا رُخ زیبا نہ ہم سے چھپا
چک پردہ اُٹھا ٹک سامنے آ۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
دانے نے بھلا خرمن سے کہا، چُپ رہ۔ اس جا نہیں چُون وچرا
وحدت کی جھلک کثرت میں دِکھا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں

اُن کی مستی فارسی کے شعروں میں بھی اُن کی قلم سے پھُوٹ پڑتی ہے اور وہ کہتے ہیں :- ؎

ہر سُو کہ دویدیم ہمہ سُوئے تو دیدیم
ہر جا کہ رسیدیم سرِ کُوئے تو دیدیم

یعنی ہم جہاں کہیں بھی بھاگتے اور دوڑتے ہوئے گئے تو وہیں وہیں تجھے موجود پایا ر

اور آخر تھک کر یا ہار کر ہم جس جگہ (منزل) پہ پہنچے وہاں بھی تیرا ہی دیدار ہوا۔
اس کو انہوں نے اُردو کے شعر میں بھی لکھا ہے۔ ؎

ظہور اپنے ہی نور کا طور پر ہے
پیا پیا اپنی ہی دید کل نکرو، پیا پر ہے

یوں تو سیر کشمیر کو رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ (موجودہ نام رام تیرتھ پرتسٹھان)
لکھنؤ نے کلیات رام کی جلد دوئم میں تین مرتبہ شائع کیا ہے جس میں آخری مرتبہ
یہ جون ۱۹۴۴ء یعنی آج سے ۴۸ سال بیشتر شائع ہوئی تھی اور اُسکے بعد
پھر شائع نہیں ہو سکی۔ اسلئے بھی یہ ضروری تھا کہ کشمیر کے متعلق لکھے گئے سوامی
رام تیرتھ کی قلم سے اس نایاب تحفہ کو لوگوں تک پہنچایا جائے اور اسی غرض سے آپ
لیگ کے شکریہ کیساتھ ہو بہو اسی طرح (بغیر کسی رد و بدل کے) شائع کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ
کسی نے کہا بھی ہے۔ ؎

مزا جب تھا جو وہ سنتے مجھی سے داستاں میری
کہاں سے لائے گا قاصد بیاں میرا زباں میری

○

شیخ محمد عبداللہ اور سوامی رام تیرتھ

"آئی ایم ہیر ٹو پروٹیکٹ ہیومینٹی"

یعنی میں یہاں (کشمیر میں) انسانیت کو زندہ رکھنے کی غرض سے بیٹھا ہوں ــــ

یہ الفاظ یُگ سنت سوامی رام تیرتھ کی پہلی جنم شتابدی (صدی) کے موقعہ پر
سرینگر میں ۸ اگست ۱۹۷۴ء کو ان کی یاد میں منعقد ایک جلسہ میں اعلانیہ
کہنے والے اُس شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے ہیں جس نے ۱۹۳۶ء کی دیوالی
کو انسانیت اور روحانیت کے سچے پُجاری سوامی رام تیرتھ کی ہندوستان میں
منائی جانیوالی تیسویں (۳۰ ویں) یاد کے موقعہ پر اپنی شردھانجلی بھینٹ

کرتے ہوئے دُنیا کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"THE MESSAGE OF SHRI RAM TIRTHA WAS NEVER MORE NEEDED US TODAY, WHEN SPITE AND HATRED RULES MINDS, HUMANITY MUST MARCH ALONG THE ETERNAL BOUNDS OF FELLOWSHIP AND BROTHERLY LOVE. TO WHATEVER CREED ONE MAY BELONG, THE END OF LIFE FOR ALL MEN IS IN THE SAME. SAGES LIKE RAM TIRTHA HAVE SHOWN US THE WAY TO AVOID LASHES AND STRIFE TO GO IN THE SEARCH OF GOD IN THE WAY, HE DID."

جموں و کشمیر کے سابق مکھیہ منتری اور لاکھوں کشمیریوں کے دِلوں کے محبوب نیتا ہونے کا فخر حاصل کرنے والے مرحوم شیخ محمد عبداللہ رُوحانیت کے ساتھ ساتھ اِنسانیت کا وعظ کرنیوالے یگ سنت سوامی رام تیرتھ کے سچے بھگت تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کو سوامی رام تیرتھ جیسی مہان ہستی کے بارے میں تب معلومات کرنے کا اِشتیاق جاگا تھا جب وہ ۱۹۳۶ء کے شروع میں شاعرِ مشرق کے نام سے مشہور علامہ اقبال کے قریب آئے تھے۔ یوں تو علامہ اقبال سے اُن کا تعارف ۱۹۲۵ء میں ہی ہو گیا تھا جب شیخ محمد عبداللہ اسلامیہ کالج لاہور میں بی۔ ایس سی کے طالب علم تھے۔ لیکن کشمیر کی جنگ آزادی کی تحریک شروع کرنے یعنی ۱۹۳۱ء کے بعد وہ پہلی مرتبہ مسلم نیشنل کانفرنس کے نیتا کی حیثیت سے لاہور میں ۱۹۳۶ء میں علامہ اقبال سے اُن کے دولت خانہ جاوید منزل پر ملے تھے۔ علامہ اقبال چونکہ سوامی رام تیرتھ کے گہرے دوست اور ان کے عقیدتمندوں میں سے ایک تھے۔ اسلئے انھیں کی زبانی شیخ محمد عبداللہ کو سوامی رام تیرتھ جیسے

بلند پایہ انسان اور مُلک و قوم کی بے لوث خدمت کرنے والے سچے سنت (فقیر) کی بابت معلومات ہوئی تھیں۔ علامہ اقبال کے دِل میں سوامی رام تیرتھ کے لئے بہت زیادہ عزت اور پیار تھا لاہور میں ہر دو کی روزانہ مُلاقات بھی ایک خاص وقتِ مقررہ پر ہوتی تھی جس میں دونوں شاعری میں بھی سوال جواب کیا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے سوامی رام تیرتھ (اُن دِنوں پروفیسر تیرتھ رام گوسوامی) اور علامہ اقبال (اُن دِنوں پروفیسر شیخ محمد اقبال) اورینٹل کالج لاہور میں اکٹھے ہی پڑھاتے تھے۔ پروفیسر تیرتھ رام گوسوامی ریاضی کے پروفیسر تھے جبکہ شیخ محمد اقبال فلاسفی اور عربی کے پروفیسر تھے۔ سوامی رام تیرتھ کی وفات ۱۷ ار اکتوبر ۱۹۰۶ء کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں ہوگئی تھی اور وہ جولائی ۱۹۰۰ء میں نوکری سے استعفیٰ دیکر گھر بار چھوڑ کر ہمالیہ کے جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ علامہ اقبال نے اپنے دوست سوامی رام تیرتھ کی وفات پر ایک نظم لکھی تھی جو کلیات اقبال میں "بانگِ درا" میں درج ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظم میں سوامی رام تیرتھ کے بارے میں جو بھی کچھ لکھا ہے وہ ہُو بہُو شیخ محمد عبداللہ کے دِل و دماغ میں گھر کر گیا تھا۔ وہ نظم اِس طرح ہے :۔ ؎

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب تو
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہرِ نایاب تُو
آہ! کھولا کِس اَدا سے تُو نے رازِ رنگ و بُو
مَیں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بُو
مِٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا
یہ شرارہ بُجھ کے آتش خانۂ آزر بنا
نفی ہستی اِک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے اِلّا اللہ کا
چشمِ نابینا سے مخفی معنیٔ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیمِ خام ہے

توڑ دیتا ہے بُتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستیِ تسنیمِ عشق

۱۹۷۹ء میں جب میں نے رام تیرتھ میموریل ہال کے اُدگھاٹن کے سلسلے میں علامہ اقبال کے فرزند جسٹس شیخ جاوید اقبال کو لاہور (پاکستان) سے سہارنپور تشریف لانے کیلئے دعوت نامہ بھیجا تو اُنہوں نے بھی اپنے مرحوم والد صاحب اور سوامی رام تیرتھ کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے مجھے لکھا تھا:۔

"...... واقعی سوامی جی علامہ اقبال کے گہرے دوست تھے۔ علامہ اقبال نے سوامی جی کی رہبری میں سنسکرت کا مطالعہ کیا اور فلسفہ ویدانت میں سوجھ بوجھ حاصل کی۔ علامہ اقبال اُنھیں بڑی محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سوامی جی کا صوفیوں میں بڑا مرتبہ ہے اور مسلمان بھی اُن کی روحانیت کے قائل تھے گو پاکستان میں اُن کے بارے میں معلومات زیادہ نہیں ہیں........."

سوامی رام تیرتھ کے دوست ڈاکٹر سر محمد اقبال کی رہنمائی میں —

— (علامہ اقبال) کا ہی شیخ محمد عبداللہ کے دل پر یہ اثر ہوا تھا کہ اُنہوں نے کشمیر کی آزادی کے لئے چلائی ہوئی اپنی تحریک کا نام ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کی بجائے نیشنل کانفرنس رکھ دیا تھا۔ حالانکہ اس نام کو تبدیل کرنے کا پکا ارادہ انہوں نے بہت پہلے ہی کر لیا تھا لیکن چند ایک وجوہات ایسی تھیں جس سے وہ علامہ اقبال کی زندگی میں یعنی ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء سے پہلے وہ اپنی پارٹی کا نام نہ بدل سکے کشمیر آزاد ہونے تک شیخ محمد عبداللہ جب جلسوں میں تقریر کیا کرتے تھے تو اپنی تقریر کے دوران علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل شعروں کو ضرور پڑھا کرتے تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ اقبال بھی کشمیری تھے بلکہ ان کے بزرگ جو صدیوں پہلے کشمیر سے آ کر سیالکوٹ (پاکستان) میں آباد ہوئے تھے سپرو ذات کے کشمیری

پنڈت تھے اور علامہ اقبال خود کشمیر کمیٹی پنجاب کے صدر رہتے ؎

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایران صغیر

کہہ رہا ہے داستاں بے دردیٔ ایام کی ؎ کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر
سر تا ئی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اسکا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ

بھارت آزاد ہونے کے بعد جب پہلی مرتبہ سوامی رام تیرتھ کی پہلی جنم شتابدی (دیوالی ۱۹۷۳ء سے دیوالی ۱۹۷۴ء تک) کے موقعہ پر تمام ملک میں سرکاری طور پر سوامی رام تیرتھ کی یاد منانے کا اعلان ہوا تب اس سے پیشتر ۷ نومبر ۱۹۷۲ء کو میں نے سوامی رام تیرتھ کی یاد میں ایک مکمل کتاب لکھنے کے لئے "رام تیرتھ سمرتی گرنتھ کمیٹی"

(RAM TIRATH MEMORIAL VOLUME COMMITTEE)

قائم کی اور اس سلسلے میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جہاں جہاں سوامی رام تیرتھ اپنے جیون میں گئے تھے یا رہے تھے وہاں وہاں سے معلومات کرنی شروع کر دی تھیں جواب جا کر (۱۹۸۲ء میں) مکمل ہوئی ہیں اور انھیں جلدی ہی "راشٹر نرماتا رام تیرتھ" کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ چونکہ سوامی رام تیرتھ ۱۸۹۹ء میں کشمیر گئے تھے اور وہاں پر سرینگر میں انہوں نے کچھ دن قیام فرمایا تھا اور لیکچر دیے تھے۔ لہٰذا اُن مقامات کی جانکاری حاصل کرنے کی غرض سے اور رام تیرتھ سمرتی گرنتھ (رام تیرتھ میموریل والیوم) کیلئے سندیس منگوانے کی غرض سے میں نے پہلی مرتبہ شیخ محمد عبداللہ کی خدمت میں خط لکھا انہوں نے محبت بھرے جن الفاظ میں اس کا جواب دیا اور گرنتھ کے لئے اپنا پیغام اور نیک خواہشات ارسال کرنے کی زحمت اُٹھائی وہ بیان سے باہر ہے۔

شیخ محمد عبداللہ نے گرنتھ کے لئے اپنا جو پیغام مجھے ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو بھیجا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

MESSAGE FOR – RASTRA NIRMATA RAMTIRTH. (RAMTIRTH MEMORIAL VOLUME) BY LATE SHEIKH MOHD. ABDULLA (EX. CHIEF MINISTER JAMMU & KASHMIR.)

I AM VERY HAPPY TO KNOW THAT A COMMITTEE HAS BEEN FORMED AT SAHARANPUR, IN ORDER TO BRING OUT A MEMORIAL VOLUME ON THE LIFE AND TEACHINGS OF SWAMI RAM TIRTHA. SWAMIJI WAS A GREAT SEER AND A MAN OF ACTION WHO, WHILE SEEKING THE GOAL OF SELF REALIZATION, DID NOT FORGET THE NEEDS OF THE DOWN-TRODDEN AND IGNORANT MASSES OF HIS COUNTRYMEN. ON THE THRESHHOLD OF THE MODERN ERA HE STANDS LIKE A MAJESTIC LIGHT HOUSE, THE RAYS OF WHOSE BEACON SHED THEIR LUSTRE FOR BEYOND THE FRONTIERS OF THIS COUNTRY. HIS LIFE AND TEACHINGS, IN FACT, ARE BOUND TO LEAD THE WHOLE HUMAN RACE ON THE PATH TO DELIVERANCE FROM THE GLOOM THAT ENGULFS OUR CIVILIZATION TODAY. IT IS ON RECORD THAT SWAMI RAM TIRTHA HAD A DEEP INTEREST IN KASHMIR AND THAT, DURING HIS BRIEF STAY IN THE VALLEY ABOUT THREE-QUARTERS OF A CENTURY AGO, HIS INNER SPIRITUAL EVOLUTION WAS ACCELERATED BY HIS VISITS TO ITS HOLY PLACES. IN ALL HUMILITY, I TAKE THIS OPPORTUNITY OF PAYING MY HUMBLE TRIBUTE TO THIS GREAT MAN OF GOD AND I WISH ALL SUCCESS TO THE SPONSERS OF THE NOBLE PROJECT.

3rd OCT. 1973

MOHD ABDULLA.

اِسی دَوران ۱۱ر اپریل ۱۹۷۳ء کو سہارنپور کے لکشمی نگر (موجودہ رام تیرتھ نگر) میں سوامی رام تیرتھ کی یاد میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کا اُدگھاٹن اتر پردیش کے اُس وقت کے گورنر شری اکبر علی خاں نے کیا تھا۔ اِس موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ کو سہارن پور تشریف لانے کیلئے دعوت نامہ بھی بھیجا گیا تھا لیکن وہ بوجہ خرابی صحت جلسہ میں شامل نہ ہوسکے۔ اسکے بعد انہوں نے مجھے کشمیر آنے کا دعوت نامہ بھیجا تاکہ میں اُن تمام مقامات کو خود دیکھ سکوں یا اُن کے متعلق معلومات کرسکوں جہاں سوامی رام تیرتھ اگست ۱۸۹۹ء میں گئے تھے۔ چنانچہ میں سہارنپور سے دس ممبران کی پارٹی لیکر اگست ۱۹۷۴ء کے پہلے ہفتہ میں کشمیر کے لئے روانہ ہوگیا چونکہ ہماری پارٹی بذریعہ کار اور جیپ سہارن پور سے سرینگر کیلئے روانہ ہوئی تھی۔ اسلئے سہارن پور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ شری آر۔ کمار آئی۔اے۔ایس (اب مرحوم) نے اپنی طرف سے ایک تعارفی خط سرکاری طور پر مجھے لکھ کر دیا تھا تاکہ راستے میں بوقت ضرورت کام آسکے۔ جس کی فوٹو کاپی اسی مضمون کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ جس کی نقل صفحہ نمبر ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

کشمیر پہونچنے پر ہم لوگوں نے اُن تمام مقامات کو جن میں امرناتھ کی گُپھا بھی شامل ہے دیکھا جہاں سوامی رام کشمیر یاترا کے دَوران گئے تھے۔ سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ نے ہمارے ٹھہرنے کا تمام بندوبست کیا تھا جبکہ ہماری پارٹی نے چشمہ شاہی میں ٹھہرنا ہی پسند کیا ۱۸ر اگست ۱۹۷۴ء کو بعد دوپہر شیخ محمد عبداللہ کی زیر صدارت ایک جلسہ یُگ سنت سوامی رام تیرتھ کی یاد میں رام باغ میں ابھیدانند ہوم میں منعقد کیا گیا۔ جس کے کنوینر سردار ہربنس سنگھ آزاد (سابق وزیر جموں وکشمیر) تھے۔ جلسہ میں ریاست کے وزیر خزانہ شری گردھاری لال ڈوگرہ اور کئی ایک معزز لوگ بھی موجود تھے۔ جلسہ کے کنوینر سردار ہربنس سنگھ آزاد اور جلسہ کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے ہماری پارٹی کا تمام کشمیر کی طرف سے پُرزور سواگت کیا اور میرا تعارف بھی کروایا۔ اِس موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ کے اصرار پر جلسہ کے

بطور مہمان خصوصی مجھے لگ بھگ ایک گھنٹہ تک سوامی رام تیرتھ اور اُن کے وچاروں پر تقریر کرنی پڑی۔ اسی موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ نے مجھے سوامی رام تیرتھ کی لکھی ہوئی "سیر کشمیر" کو شائع کرنے کے لیے کہا تھا جسے اب اُن کی یاد میں اُن کی وفات کے بعد (۸ ستمبر ۱۹۸۲ء) شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شیخ محمد عبداللہ میرے مرحوم والد پنڈت گوری ناتھ راج جیوتشی گوجرانوالیہ (بانی بھارتیہ جیوتش وگیان الو سندھان سنستھان سہارنپور) سے گوجرانوالہ (پنجاب۔ پاکستان) میں ایک مرتبہ مل چکے تھے۔ گوجرانوالہ میں جسٹس شیخ بالو دین محمد (بعد میں گورنر سندھ پاکستان) میرے والد صاحب کو اپنا مرشد مانتے تھے اور شیخ محمد عبداللہ اکثر لاہور جاتے ہوئے اُن کے دولت خانہ (سول لائن) میں ٹھہرا کرتے تھے۔ وہیں یہ ملاقات ہوئی تھی اس کا راز تب کھلا جب جلسہ کے بعد میں نے اور میرے بڑے بھائی شری وشوا ناتھ نے بڑھا کر کے شیخ محمد عبداللہ کو سوامی رام تیرتھ کی زندگی پر خود کی لکھی ہوئی ایک ہندی کی کتاب بھینٹ کی جس کے شروع میں جسٹس بالو دین محمد کا نام کتاب کے سمرپن (DEDICATION) کے سلسلے میں چھپا ہوا تھا۔ وہ کتاب میں نے ضلع گوجرانوالہ کی سرزمین پر پیدا ہونے والی مایۂ ناز ہستیوں (جن میں گورو نانک دیو۔ میاں سید وارث شاہ مصنف ہیر مہاراجہ رنجیت سنگھ سردار ہری سنگھ نلوہ رحیم پہلوان سلطانی والہ رستم ہند۔ لالہ بھیم سین سچر۔ پنڈت گوری ناتھ راج جیوتشی گوجرانوالہ جسٹس بالو دین محمد وغیرہ وغیرہ) کو سمرپت کی تھی۔ اُسے پڑھ کر ہی شیخ محمد عبداللہ نے گوجرانوالہ کی پرانی ملاقات کا ذکر بھی کیا۔ اور بہت خوش ہوئے تھے۔

سرینگر میں منعقد اس جلسہ کی خبریں پنجاب۔ دہلی اور سرینگر کے کئی ایک اہم اخباروں میں شائع ہوئی تھیں۔ جن میں سے کچھ اخباروں کی فوٹو کاپی کا بلاک اسی کتاب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد فاروق عبداللہ

(محکمہ منتری جموں وکشمیر) اپنے مرحوم والد صاحب کی یگ سنت سوامی رام تیرتھ
کی یاد میں عنقریب نہ صرف بھارت بلکہ دُنیا میں پہلی مرتبہ شائع ہونے والے
گرنتھ ـــ "راشٹر نرماتا رام تیرتھ" کی اشاعت میں رام تیرتھ کیندر سہارن پور
کو پورا پورا تعاون دیں گے۔ اور کشمیر میں بھی سوامی رام تیرتھ جیسی مایۂ ناز
ہستیوں کی یاد میں انسانیت اور رُوحانیت کا پرچار کرنے میں پوری پوری
امداد دیں گے۔ اوم شانتی۔ شانتی۔ شانتی۔ ●●

عیدالضحیٰ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۹۸۲ء

نقل تعارفی چٹھی جسے سہارن پور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ شری آر کُمار آئی۔ اے۔ ایس
نے رام تیرتھ میموریل والیوم کمیٹی کے لئے بوقت روانگی کشمیر دیا تھی:-

TO WHOM IT MAY CONCERN

A PARTY OF SWAMI RAM TIRATH MEMORIAL VOLUME COMMITTEE IS VISITING JAMMU AND KASHMIR ON PILGRIMAGE. ALL CONCERNED ARE REQUESTED TO AFFORD ALL POSSIBLE FACILITIES TO THIS PARTY. SRI KEDAR NATH PRABHAKAR, AN EMINENT SCHOLAR OF SWAMI RAM TIRATH AND A WELL-KNOWN ASTROLOGER IS THE LEADER OF THE PARTY.

(R. COOMAR)
DISTRICT MAGISTRATE,
SAHARANPUR.

Dt. 23rd OF JULY, 1974

از قلم:-
یگ سنت سوامی رام تیرتھ

نقل چٹھی مرحوم شیخ محمد عبداللہ جس میں اُنہوں نے سرینگر (کشمیر) میں
ویگ سنت سوامی رام تیرتھ کے میزبانوں کی معلومات کرنے کی بابت تحریر کیا ہے۔

10-Maulana Azad Road,
Srinagar, Kashmir,
3rd. October, 1973.

My dear Shri Prabhaker Ji,

Thank you for your letter of 27-7-1973. Enclosed please find my message of good wishes for the projected memorial volume on the life and teachings of Swami Rama Tirtha.

Further, I am making inqueries regarding the Srinagar hosts of Swamiji when he visited this place in ~~October~~ August, 1899. If I am able to secure any valuable material in this connection, I shall be glad to post it to you in due course.

With kind regards,

Yours sincerely,

[signature]

(Sheikh Mohd. Abdullah)

Shri Kedar Nath Prabhaker,
Convener, Swami Rama Tirtha Memorial Volume
Committee, Saharanpur (U. P)

سیرِ کشمیر

ہوائے خوش۔ فضائے خوش۔ صدائے آبشارِ خوش

بہارِ خوش۔ نگارِ خوش۔ چنارِ سایہ دارِ خوش

اے رام! یہ بیرحمی ٹھیک نہیں۔ تیرے لئے تیری خاطر رنگا رنگ کے دوپٹے رنگوائے ہیں۔ نئی نئی پوشاکیں پہنی ہیں۔ اور تو اُس کی طرف نیم نگاہ بھی نہیں ڈالتا۔ یہ ظلم مت کر۔ چل درشن دے ؛

لہ ہمہ آہوانِ صحرا سرِ ہا نہادہ برکف

بامیدِ آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

کہ عزیزاں وقت و ساعت می شمارند ؛ رفیقاں چشم و دل در انتظار ند

سہ سروِ قدا چماں چماں۔ برلبِ جُو رواں رواں

فرشِ رہِ تو قمریاں۔ طالعِ شاں بہ یا کشا

نظارہ اوّل

پہاڑی کھیت تھیٹر کی بنچوں کے ڈھنگ پر آراستہ ہیں۔ ایک کے پیچھے دُوسرا زیادہ بلندی پر بچھا ہُوا ہے۔ پانی اُوپر سے گرتا ہُوا سارا کا سارا ایک

لہ جنگل کے تمام ہرن اس امید سے ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے ہیں کہ کسی دن تو وہاں آکر اُن کا شکار کرے ؛

کہ عزیز لوگ گھڑیاں گِن رہے ہیں۔ اور رفیق انتظار میں لگے ہوئے ہیں ؛

سہ بہتے ہوئے دریا کے کنارے پر سرو قد (معشوق) ناچ رہے ہیں۔ تیرے راستے کے فرش پر قمریاں منتظر ہیں۔ تو اپنی تشریف آوری سے اُن کی قسمت کا قفل کھول دے۔

پنج پر یکساں بھر جاتا ہے۔ وہاں کے سبز دھانوں کو سیراب کرنے کے بعد دوسرے پنج پر اُترتا ہے۔ علیٰ ہٰذا تیسرے پر: صبح کے وقت سبز کھیت میں جابجا پانی کی سفید جھلک یوں معلوم دیتی ہے جیسے کسی معشوق کے گورے بدن کا سبز پوشاک میں سے نظر پڑنا: لیکن دوپہر کو دور سے دیکھا جائے تو سفید پانی ہی پانی نظر آتا ہے اور پہاڑ چاندی کا سا بن جاتا ہے: ایک تختۂ سبز پر سے رآم گزر رہا ہے۔ لق و دق سبز میدان ہے۔ فرحت افزا ہوا بے روک ہر وقت چلتی رہتی ہے کشادہ میدان اُفق HARISON کے متوازی نہیں ہے۔ بلکہ مثل اُس نازنین کی پیشانی کے سلامی دار ہے جو نشۂ حسن میں مست ہو کر چاند کو آنکھیں دکھا رہی ہو۔ گھاس کیا ہے نہایت مکلف صاف چادریں بچھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پریاں اسی جگہ ناچ کر راجہ اندر کی خوشنودی مزاج کے پروانے حاصل کیا کرتی ہیں:

راگ بھیروی۔ تال شوُل

(۱) بھلا ہُوا ہر بیر و سر سے ٹری بلا (ٹیک)
جیسے تھے ویسے بھئے اب کچھ کہا نہ جاء

(۲) مُکھ سے جپُوں نہ کر جپُوں۔ اُر سے جپُوں نہ رآم
رآم سدا ہم کو بھجے۔ ہم پاویں بسرام

(۳) رآم مرے تو ہم مرے ؟ ہمری مرے بلاء
سنت پُرش لیو جان جب۔ مرے نہ مارا جائے

(۴) حدّ پٹے سو اولیا۔ بیحد پٹے سو پیر
حد بیحد دونوں پٹے۔ تا کا نام فقیر

(۵) حد حد کر دے سب گئے۔ بیحد گیا نہ کوئے

حد بحد میدان ہیں رہیو کبیرا سوئے

(۶) من ایسو نرمل بھیو جیسے گنگا نیر
پیچھے پیچھے ہر پھرے کہت کبیر کبیر

نظارۂ دوم

شراب کے پیالہ (بادیہ) کی صورت میں پہاڑوں کی ہیبت عین وسط میں آب زلال۔ پانی نہایت شیریں ذائقہ امرت کا چشمہ : درخت نہایت بلند گھن کے سایہ والے بیلیں قدرتی ہنڈولوں کی بہار دے رہی ہیں۔ مزید ار جھولنے لٹک رہے ہیں۔ رام جھولتا ہے اور گاتا ہے :

راگ پیلو - تال دھمار

(۱) دریا سے حباب کی ہے یہ صدا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
مجھ کو نہ سمجھ اپنے سے جدا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۲) جب غنچہ چمن میں صبح کو کھلا تب کان میں گل کے یہ کہنے لگا
ہاں آج یہ عقدہ ہے ہم پہ کھلا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۳) آئینہ مقابل رخ جو رکھا۔ جھٹ بول اٹھا یوں عکس اسکا
کیوں دیکھ کے حیراں یار ہوا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۴) ناسوت میں آکے یہی دیکھا۔ ہے میری ہی ذات سے نشو و نما
جیسے پنبہ کا تار سے ہو رشتہ۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۵) تو کیوں سمجھا مجھے غیر بتا۔ اپنا رخ زیبا نہ ہم سے چھپا
چک پردہ اٹھا ٹک سامنے آ۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۶) دانے نے بھلا خرمن سے کہا۔ چپ رہ۔ اس جا نہیں چون و چرا
وحدت کی جھلک کثرت میں دکھا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں

ادھر ادھر آرام کی سینا کلول کر رہی ہے۔ چھوٹے چھوٹے مولوں ایسے زنگار رنگ کے پرندے بیل بوٹوں پر پھدک رہے ہیں۔ اور آوازِ خوش آیند سے چہچہا رہے ہیں:
سفید سفید جھاگ کے اندر سے نیلا پانی اس طرح جھلک رہا ہے جیسے گورے بدن پر نیلی نیلی رگیں :: بعض جگہ پانی کے نیچے پتھروں کی یہ چمک ہے کہ اگر "سب جگہ اپنا گھر نہ سمجھنے والا" کوئی آدمی یہاں ہو۔ تو فی الفور اس کے جی میں یہی آئے کہ جیسے بنے ان سنگریزوں کو چوراکر گھر ضرور لیجاؤں:
لیکن گھر کیسا؟ یہ وہ مقام ہے کہ جب ایک دفعہ دیکھا تو یہیں گھر کر بیٹھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا: ہائے رے دنیا کی ہوا و ہوس! تیرے رستے کیسے مضبوط ہیں۔ ایسے آنند کے آغوش سے بھی لوگوں کو کھینچ لے جاتی ہے۔ پھر گرمی میں رلاتی ہے۔ مٹی میں ملاتی ہے::

سوال :- یہاں دنیا و فیہا گم ہے۔ آنند ہی آنند ہے۔ سورگ بہشت کہیں اسی کا نہ نام ہو:

رام :- ہاں خوب سمجھے۔ شبھ کرموں والا اتبا لمند جگت جنجال سے چھٹی پاکر کہیں ادھر آتا ہے۔ کچھ دیر آرام کرتا ہے۔ پھر پورلیے سنسکاروں سے کھچا ہوا گر جاتا ہے۔ یہی سورگ ہے:

[1] اگر فردوس بر روئے زمیں است :: ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است
لیکن میرا مقام (پرم دھام) یہ نہیں کیونکہ میرے آنند کی وہ کشش ہے کہ دنیا کی کوئی خواہش اُس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور اُس سے نہیں ہٹا سکتی۔ وہاں سے واپس آنا چہ معنی؟

رخصت دے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا

---

(۱) اگر روئے زمیں پر کوئی بہشت ہے تو وہ یہی ہے۔ یہی ہے:

راگ سورٹھ - تال تین

مان - مان - مان کہیا مان سے لے ہرا
جان - جان - جان روپ جان لے ہرا
جانے بنا سروپ[1] - غم نہ جائے گا کبھی
کہتے ہیں بید بار بار بات یہ سبھی
نینن کے نین جو ہے سو بینن کے بین ہے
جس کے بغیر شریر میں نہ پلک چین ہے
اے پیاری جان! جان تو پھولوں کا بھوپ ہے
ناچت ہے پرکرتی سدا مجرا الوپ[2] ہے

نظارۂ سوم

کوکرناگ کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر رام آسن جمائے بیٹھا ہے۔ چاروں طرف پہاڑوں پر کیاریوں کے اوپر کیاریاں ہیں کہ کرسیاں بچھی ہیں اُن کرسیوں پر پون[3] - ورن[4] - آدتیہ[5] - کوبیر[6] وغیرہ دیوتا اگن متمکن ہیں - شاہنشاہ رام کا اجلاس لگا ہے۔ نیچے میدان میں دھانی، سبز، سرخ - زرد رنگوں کے قالین اور غالیچے (گھاس) آراستہ پیراستہ ہیں۔ اس تماشا گاہ میں کنچنیاں (ندیاں) عجب بانکپن سے ناچ رہی ہیں اور شکر ریز نغمے نکالتی ہوئیں من لبھا رہی ہیں۔ واہ رے دلربائی! جس نے پاس جا کر آنکھ لڑائی اُسی سے یہ مدارات کہ ہاں میرے دل جگر میں تیری جا ہے (شفاف پن) بیلوں کے ہار ڈالے۔ سرخ زرد نیلگوں پھول کانوں میں پہنے جھوم جھوم کر یہ بلند بالا اشجار کیا کر رہے ہیں؟ - ندیوں کے حسن کی داد دے رہے ہیں:

---

[1] ذات [2] لاثانی [3] پون۔ ہوا (وایو) کا دیوتا۔ [4] ورن - جل (پانی) کا دیوتا۔ [5] آدتیہ - سوریہ دیوتا [6] کوبیر - دھن کا دیوتا۔

دِلبر دِل رُبائے من میکند از برائے من
ؔ۱ نقش و نگار و رنگ و بُو تازہ بتازہ نو بنو

غلط گفتم۔ جن کو (ندیاں) ہم لولیانِ شوخ سمجھے تھے وہ ناگ اور ناگنیاں ہیں۔ کاٹ کھانے والے (نہایت سرد) سانپ ہیں کہ لہراتے لہراتے بل کھاتے سناں سناں مچاتے چلے جا رہے ہیں: شنکر (امرناتھ) نے اپنے سانپ بھیجے ہیں کہ رام کے آگے مجرا دکھائیں:

ؔ سیر کر اور دور سے گُل دیکھ اس گلزار کے
پر بنا اپنے گلے کا اُن کو مت زنہار ہار:

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں خاک میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے
جُز نام نہیں صُورتِ عالم مرے نزدیک
جُز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے

نظارۂ چہارم

سڑک کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے قطاروں میں شمشاد آسمان سے باتیں کرتے ہوئے کھڑے ہیں۔ گویا کشیدہ قامت معشوق ہیں کہ لباس سبز دلبر کئے بدن سے بدن ملائے رام کے انتظار میں صف آرا ہیں۔ عجیب نظارہ ہے۔ بعض بعض مقامات پر تو شمشاد ایسے تنگ استادہ ہیں کہ بیچاروں کا کندھے سے کندھا

---

(۱) میرے دل کو لُبھانیوالا دلبر (پیارا یار) میرے لئے ہر گھڑی نئے نئے طرح طرح کے نقش و نگار بناتا ہے۔ نشر نگار کرتا ہے:

چھلتا ہے اور یوں سر بفلک ہیں کہ اگر مطلع صاف ہو اور سڑک پر ٹھہر کر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی جائے تو روز روشن میں دِن دوپہر کے وقت تاروں کا نظر آنا کچھ بڑی بات نہیں:

ایک دن ایسی سڑک پر انت ناگ کے قریب گھوڑے پر سوار رام جا رہا تھا۔ بادل گھر رہے تھے۔ ہوا شمشادوں کی زلفوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ یکایک گھٹا تمام آسمان پر پھیر گئی۔

وہ آئی وہ آئی گھٹا | گلستانِ عالم پہ چھائی گھٹا
گھٹا کالی کالی دھنش لال لال | کھنیلکے ابرو پہ جیسے گلال

پیچھے سے ایک نغمہ کی آواز نکلی۔ ہوا پر سوار ہو کر پھیلنے لگی۔ بادلوں تک گونج رہے تمام عالم بھر گیا۔ یہ ایک پہاڑی لڑکا بانسری بجا رہا تھا۔ کیسا سماں بندھ گیا۔ آہا ہا ہا! دل کے ساتویں پردے تک وہ سُریں دھنس گئیں۔ اب کس میں تاب تھی۔ کہ گھوڑا بڑھا کر آگے نکل جائے۔ نغمہ کے تال کے ساتھ گھوڑے کا قدم اُٹھنے لگا۔ میل کئی ایک گزر گئے۔ اور خیال تک نہیں آیا:

اب ذرا غور کیجئے اُس بانسری سے گول چند کا گوپیوں کو سانپ کی طرح بلّوں سے کھینچ لانا اور نقش بر دیوار بنائے رکھنا کیا مشکل تھا؟

ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے | اچھے خاصے فقیر ہو بیٹھے
اب بٹھائیں گے آپ کو کس جا | ایک مدّت کے دِل کو رو بیٹھے

(۱) آں شعلہ رُوبرو بہ غمزہ دلم را کباب کرد
مارا چہ کرد؟ خانۂ خود را خراب کرد

---

(۱) اُس معشوق نے اپنے ناز و نخرے (کنّا کش) سے میرے دل کو بھون دیا اس میں میرا کیا بگڑا! بلکہ اس نے اپنے ہی گھر کو برباد کیا۔ (کیونکہ میرا ہی دِل اُس کا گھر تھا۔)

نظارۂ پنجم

دونوں طرف سرسبز پہاڑ۔ گھن کا سایہ۔ بیچ میں برلب جوئیا رام جارہاہے ہری ہری کونپلوں، پیاری پیاری پتیوں۔ دلفریب سنبل اور نرم نرم گھاس سے آنکھیں نہال ہورہی ہیں اور جی باغ باغ۔ قدم قدم پر آبشاروں کی بہار اور ٹیڑھے ترچھے قدرتی گلزار۔ نشۂ ذات میں سرشار کر رہے ہیں۔ ہرے بھرے درختوں کے جھرمٹ کانوں میں پھول۔ گلے میں بیلوں کے ہار ڈال کر چڑھتی جوانی کے خمار میں براتیوں کا سا شرنگار کر رہے ہیں:

برلب جوئے جہاں باساز و برگ تازۂ ۱
ہر زماں آید خراماں یار خوش رفتار ما

خوبانِ گلزارِ فطرت رام کی ایک نگہ ناز پر اپنا اپنا جوبن بیچنے کو مینا بازار لگائے پرے کے پرے جمائے جمع ہیں:

یونانی میتھالوجی سے سُنا ہے کہ حُسن کی پری جھین میں سے پیدا ہوئی تھی لیکن
چہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ
یہاں ان آبشاروں کی جھبن پر پرتیکش ناچ (نرتیہ) کرتی دیکھ لو:
پانی اتنا تو گہرا لیکن شفاف ایسا کہ پیاری گنگی (گنگا جی) یاد آتی ہے۔
گو یہاں اگر یہاں نہائیں تو گول چند کو کبھی ضرورت نہ پڑتی کہ اُن کو برہنہ تن دیکھنے کے لئے پانی سے باہر نکلنے کی تکلیف دیتا: یہ جھلکتے جھلکتے اونچے آبشار جاندی کے کمند اور رستے معلوم دیتے ہیں کہ جن کو پکڑ کر عالم علوی کو چڑھ جائیں یا یہ ہیرے کے گھاٹ والی کیچنیاں (چادریں) ہیں جو سر کے بل رقص کناں زمین خدمت چوم رہی ہیں اور نہایت سُریلی آواز سے رام کی مہما کے گیت گاتی جاتی ہیں:

آب از برائے دیدنم می آید از فرسنگہا ۲
بیخود شدہ از خرمی غلطاں شود بر سنگہا

---

۱ دُنیا کی نہر کے کنارے میرا خوش رفتار پیارا نئے نئے ساز و سنگار کے ساتھ ہر وقت آتا ہے:
۲ میرے دیکھنے کے لئے پانی کوسوں سے آرہا ہے (میرے دیدار سے) بیخود ہوا پتھروں پر خوشی سے لوٹ پھٹکتا چلا جاتا ہے:

آج ورزش نہیں کی۔ آؤ کچھ دیر اس آبشار کے نیچے چھاتی رکھتے ہیں۔ کافی ورزش ہو جائے گی۔ اپنی چھاتی کے رقبہ اور سُرعتِ آب کے مجذور وغیرہ پر عمل ریاضیہ کرنے سے متحرک پانی کا دباؤ معلوم کریں گے۔ لیکن اُف او! یہ زور کا پانی! یہ تو کُل ریاضی دیاضی کو بہائے لے جا رہا ہے۔ اینٹوں سے بھی چڑھ بڑھ کے ہے۔ اِس کے آگے چھاتی رکھنے سے تو یہی بہتر ہوگا کہ چار پانچ پتھر مار کر کلیجہ شق کیا جائے:

اے پانی! تیری نرمی جو ضرب المثل ہے آج کیا ہوئی؟ تمہاری شیتلتا کہاں بہہ گئی کہ اس گرمجوشی کے ساتھ دوڑے جا رہے ہو: یہ جوش و خروش یہ تندی تیزی۔ یہ گرمی کیوں؟

جواب آب:۔ (الف) مَیں تو سدا شیتل ہوں سیر شکر کے دیکھ لو۔ بدن کھٹر نہ جائے تو سہی۔ یہ گرمی ورمی تماشائی کے ذہن میں ہے۔

(ب) مَیں تو ہر وقت نرم ہی ہوں۔ آپ کی سینہ زوری ہے کہ اُلٹی مجھ میں سختی مفروض ہوئی ہے۔

پیارے ناظرین! ذرا غور کرنا۔ سنسار سمندر کی تُرشی و تلخی کہاں۔؟ تمہاری مہربانی ہے کہ جگت تُند و تاریک نظر آتا ہے:

خنجر کی کیا مجال کہ اک زخم کر سکے
تیرا ہی ہے خیال کہ گھایل ہُوا ہے تو

ؔلہ بادہ از ما ستُ شد نے ما ازو
ہم زما واں بوئے گُل۔ آواز نَے

تُم ہی جگت بَن رہے ہو:

سوال:۔ اگر فی الواقعہ یہی ماجرا ہے تو کیا وجہ حقیقت نہیں کھُلتی: میں ہی جگت کی اصل اور پھر میں ہی ڈروں سمجھ میں نہیں آتا: آپ کی ان شانتی آمیز باتوں سے ہمارے دل کی تپت نہیں بجھتی۔ مایا بڑی غالب ہے کیا کریں

ؔلہ ز حرفِ سرد ناصح گرمیِ عشقم نگردد کم
نیند از د ز جوشِ خویشتن سیلاب دریا را

ؔلہ شراب ہم سے مست ہوتی ہے۔ ہم شراب سے نہیں اور ہم سے پھول کی خوشبو اور بانسری کی آواز سمجھ:

ؔلہ واعظ کی سرد تلقین سے میرے عشق کی گرمی کم نہیں ہوئی کیونکہ میرے اندرونی جوش سے جو عشق کی طغیانی ہے۔ اُس کا اُس کو اندازہ نہیں:

رام :- سچ ہے جب تک خود اپنے تئیں لیکچر نہ دوگے دل کی تپت کیوں بُجھنے کی ہے :

عہ ا تو خود حجاب خودی اے دل ازمیاں برخیز

ہم بغل مجھ سے رہتا ہے ہر آن رام تو
بن پردہ اپنی وصل میں حائل ہُوا ہے تو
اپنے ہاتھوں سے اپنا منھ کب تک ڈھانپو گے ؟

عہ ۲ برچہرۂ تو نقاب تا کے | برچشمۂ خود سحاب تا کے

ہمت سے کام لو۔ مایا کچھ چیز ہی نہیں۔ ذرا سے پتّے کی اوٹ میں پہاڑ کو چھپائے ہو :- جب محیطِ ہمت طُغیانی پر آتا ہے کون سا ہمالیہ ہے جس کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر آگے نہیں لے جا سکتا۔ وہ کون سمندر ہے جسے تم نہیں سُکھا سکتے۔ وہ کون سا سورج ہے جسے ذرّہ نہیں بنا سکتے :

وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

سوال :- حجاب اور نقاب کا کام ہی کیا ؟ نرا دیوا اور نرا آکار میں ہاتھ پاؤں چہ معنی ؟ ایک ہی ذات پاک میں یہہ کہاں سے آ گئے ؟ وہ کون طاقت تھی جس نے قادر مطلق پر استیلا حاصل کیا ؟ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میرا ہی چہرہ اپنے تئیں ڈھانپ لے ؟

رام :- عہ ۳ حجابِ جلوہ ہم یکسر ہجومِ جلوہ ہست اینجا
نقابے نیست دریا را۔ مگر طوفانِ عُریانی

عہ چادر سے موج کی نہ چھپے چہرہ آب کا
بُرقع حُباب کا نہ ہوا۔ برقع آب کا

عہ جب وہ جمالِ دلفروز صُورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز۔ پردے میں منھ چھپائے کیوں؟

عہ ۱ اے دل تو اپنا پردہ آپ بنا ہوا ہے بیچ میں سے اُٹھ جا :

عہ ۲ تیرے چہرہ پر پردہ کب تک اور آفتاب کے رُخ پر بادل کب تک رہے گا :

عہ ۳ اس جگہ جلوہ کا ہجوم (کثرت) ہی جلوہ کا حجاب بنا ہُوا ہے جیسے دریا کو سوائے اس کی اپنی طغیانی کے اور کوئی نقاب نہیں یعنی یارِ غار آپ ہی اپنی مایا میں چھپا ہوا ہے :

چہرۂ نورانی پر سے ظلمت کا گُل دُور کرو۔ اور دیدۂ دل میں سُرمہ دو۔

ع ہم سے کھُل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عُذرِ مستی ایک دن

ع حجابِ نو عروسانی ز شوہر خود نمی ماند[1]
اگر ماند شبے ماند۔ شبِ دیگر نمی ماند:

اے لو مقراض موجِ دامنِ دریا کتر گئی
وحدت کا بُرقع پھٹ گیا۔ ساری ستر گئی

گلا پھاڑ پھاڑ کر آپ پُکار رہا ہے۔

منم خُدا و بیانگِ بلندی گویم[2] : ہر آنکہ نور و بدہر و ماہ را دیم

سوال:- تم تماشا دیکھنے آئے ہو کہ سب چیزوں کو کھا جانے؟ سب کی رونق
گُل کی آب و تاب تم ہی ہو؟ اس شعر کے مصداق ہو گیا؟

ع چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبیں تالاب پر
عکسِ رُخ کی تاب پانی پھیرے مہتاب پر

رام:- کیا آج اس شعر کا مصداق ہُوا ہوں میری شان میں، وید کہتا چلا آتا ہے

[3] न तत्र सूर्यो भाति न चन्द्र तारकं, ने मा विद्यतो
भान्तिकुतोऽयमाग्निः।
तमेव भान्तमनु भाति सर्वं, तस्य भासः सर्वमिदं
विभाति॥ (مُنڈک اُپنشد)

راگ پہاڑی۔ تال چلت

(۱) پہاڑوں کا یوں لمبی تانے یہ سونا	وہ گنجان درختوں کا دوشالا ہونا
وہ دامن میں سبزہ کی مخمل بچھونا	ندی کا بچھونے کی جھالر پرونا

---

[1] نئی دولہن کا اپنے شوہر سے پردہ نہیں رہتا۔ اگر رہتا بھی ہے تو ایک رات کو لیکن دوسری رات کو جاتا رہتا ہے

[2] میں خدا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں وہ ہوں جس سے سورج اور چاند کو روشنی ملتی ہے:

[3] نہ وہاں سورج چمکتا ہے نہ چندرماں و تارے اور نہ بجلی ہی پھر آگنی تو بھلا کہاں؟
تمہارے چمکنے سے یہ سب چمک رہے ہیں اور تمہاری ہی روشنی سے یہ سب روشن ہیں:

یہ راحت مجسّم یہ آرام میں ہوں
کہاں کوہ دریا یہاں میں ہی میں ہوں

نوٹ:- جھالردار مخمل کے بچھونے پر دوشالہ اوڑھے کمبھ کرن کی طرح لمبے سلسلۂ کوہ کا دراز ہونا مستی دگھن سُشپتی- آنند مئے کوش کی تصویر مجسّم ہے- اس سُشپتی یا آنند مئے کوش میں ظہور (پرکاش) یا آنند (کو نستھ) میں ہوں: مجھے جاننے پر یہ سُشپتی روپ پہاڑ دریا وغیرہ کہاں رہنے پاتے ہیں؟ حقیقت کا پتہ لگتے ہی وہم غائب ہو جاتا ہے
ف۱ اے ز رُویت گلستانہا ثمر مساد : درگُل دگلزار چُونت یافتم

(۲) سفید سفید بادل کبھی گھوڑے کی شکل میں کبھی ریل کی صورت میں کبھی انسان کی ہیئت میں پہاڑوں پر ہاتھی کی مست چال سے چلتے ہُوئے عالم خواب کی متلون مزاجیاں دکھا رہے ہیں: پرکرتی اس حالت میں بھی عورتوں والے ناز و نخرے نہیں چھوڑتی- اپنے خاوند رام کی پُر لطف نگاہ حاصل کرنے کے لئے کبھی روتی ہے- کبھی ہنستی ہے:

(۲) یہ پربت کی چھاتی پہ بادل کا پھرنا | وہ دم بھر میں ابروں سے پربت کا گھرنا
گرجنا- چمکنا- کڑکنا- نکھرنا | چھما چھم- چھما چھم یہ بوندوں کا گرنا

عروس فلک کا وہ ہنسنا یہ رونا-
مرے ہی لیے ہے فقط جان کھونا

(۳) کوسوں تک قدرتی گلزار کا چلے جانا- رنگا رنگ کے پھول ہر چارسُو شگفتہ-

(۳) یہ وادی کا رنگیں گلوں سے لہکنا | فضا کا یہ بُو سے سراپا مہکنا
یہ بُلبل ساں خنداں لبوں کا چہکنا | وہ آوازِ نے کا بہ ہر سُو لپکنا

گلوں کی یہ کثرت ادم رُو بُرا ہے
یہ میری ہی رنگت ہے میری ہی بُو ہے

(۴) ایک اور دلکش مقام

ف۱ پھول اور پھلواڑی میں جب تجھ کو پایا تو چہرہ کے آگے پھلواڑیاں شرمندہ نظر آئیں:

(۴) جو جو اور چشمہ ہے نغمہ سرا ہے | کس انداز سے آب بل کھا رہا ہے
یہ تکیوں پہ تکیے ہیں۔ ریشم بچھا ہے | سہانا سماں۔ من لبھانا سماں ہے

جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں
میں اپنی ہی تاب اور شان دیکھتا ہوں

(۵) آبشاروں کی بہار

(۵) نہیں چادریں ناچتے سیمتن ہیں | یہ آواز؟ پازیب ہیں نعرہ زن ہیں۔
پہاڑوں کے دامنے زمرد فگن ہیں | صفائی آہا! روئے مہ پرشکن ہیں

صبا ہوں میں گل چومتا بوسہ لیتا
میں شمشاد ہوں جھوم کر داد دیتا

(۱) بڑے بڑے اونچے پہاڑوں کو کشمیر میں "پیر" کہتے ہیں (جیسے پیر پنجال۔ پیر بھنجال۔ رتن پیر وغیرہ)۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسے "پیر" (بڈھا) سفید سر والا ہوتا ہے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں بھی بباعث برف عموماً سفید رہتی ہیں۔
لیکن لطف یہ ہے کیا جانے ان پیروں نے دھوپ میں بال سفید کئے ہیں۔ سر تو بڈھے ہو گئے لیکن جوانی کی سب اُمنگیں جی میں ہیں۔ اِن کے دل سر سبز ہیں یعنی چوٹیوں کو چھوڑ کر نیچے سے نہایت خوب ہرے بھرے ہیں۔ باہر کا مقولہ ان پر صادق آتا ہے:

ما
پیری میں نہ کس طرح کروں عیش جہاں کی
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا

دیوار کے اونچے درخت شراب کی صراحیوں کی صورت رکھتے ہیں۔ ان میں جا بجا کلکلاتے ہوئے چشمے بہہ رہے ہیں گویا بوتلوں میں سے قلقل کے ساتھ شراب نکل رہی ہے: یہ مجسم مستی رام ہی کی ایک موج ہے:

(۶) میرے سامنے ایک محفل سجی ہے | ہیں سب سیم سر پیر۔ پر سبز تن ہے
شجر کیا ہیں؟ مینا یہ مینا دھری ہے | نہ جھرنوں کا جھرنا ہے۔ قلقل لگی ہے

لنڈھائے یہ شیشے کہ بہہ نکلیں نہریں
ہے مستی مجسم یہ یا اپنی لہریں؟

(۷) شہری نگر سے اننت ناگ کو کشتی میں جانا

(۷) رواں آبِ دریا ہے کشتی رواں ہے | صبا نزہت آگیں صبحدم وزاں ہے
یہ لہروں پہ سورج کا جلوہ عیاں ہے | بلندی پہ برفِ اِک تجلّی فشاں ہے

ظہور اپنے ہی نور کا طور پر ہے
پدید اپنی ہی دید کُل بحر و بر ہے

(۸) جھیل ڈل میں اِرد گِرد کے سُرجیت پہاڑوں کا عکس پڑ رہا ہے۔ اور پانی کو ہوا ہلا رہی ہے۔ (بدیں صورت) ہلکی ہوا کے جھونکوں سے اتنے بڑے پہاڑ ہلتے نظر آتے ہیں۔ کیا لُطف ہے۔ تعجّب ہے :

(۸) ڈلکتا ہے ڈل دیدۂ مہ لقا سا | دھڑکتا ہے دِل آئینہ پُر صفا کا
ہلاتا ہے کوہوں کو صدمہ ہوا کا | کِھلے ہیں کنول پھول ہے۔ اک بلا کا

یہ سورج کی کرنوں کے چپّے لگے ہیں
عجب! ناؤ بھی ہم ہیں خود کھے رہے ہیں

سورج کشتی کی طرح ڈل میں لرزاں نظر آتا ہے۔ اور اُسی سورج کی کرنیں چپّوں کی طرح کشتی چلانے والی ہیں : مَیں ہی وہ سورج ہُوں جو کشتی بنا ہے میں ہی کِھینے کے اوزار ہوں :

(۹) امرناتھ کی چڑھائی۔ پورنماسی کی رات

(۹) چڑھائی مصیبت۔ اُترنا یہ مشکل | پھسلتی برف۔ تِس پہ آفت یہ بادل
قیامت یہ سردی کہ بچنا ہے باطل | یہ بُوٹیوں کی کہ گھبرا گیا دل

یہ دل لینا۔ جاں لینا کس کی ادا ہے؟ (شوخی جو بیراہی آنتر آتا ہی)
مری جاں کی جاں جس پہ شوخی فدا ہے

(۱۰) پُورنماسی کی رات

(۱۰) عجب لُطف ہے کوہ پر چاندنی کا | یہ نیچر نے اوڑھا ہے حبابی دوپٹّا
دِکھاتا ہے آدھا۔ چھُپاتا ہے آدھا | دوپٹّے نے جوبن کیا ہے دوبالا

نشے میں جوانی کے معشوق نیچر
ہے لیٹی ہوئی رام سے مست ہو کر

(۱۱) امرناتھ کا از حد وسیع خُدائی بال (جسے لوگ گپھا کہتے ہیں) :

(۱۱) ہرف جس میں سُستی۔ جڑتا ہے لاشئے | امر لنگ اُستادہ چیتن کی جا ہے
ملے یار۔ ہو وصل۔ سب فاصلہ طَے | یہی رُوپ دائم امرناتھ کا ہے

وُہ آئے اُپاسک۔ تعیّن مِٹا سب
رہا رام ہی رام مَیں تو مِٹا جب

ملے ہے رام

راگ جنگلا۔ تال دھمار

۱ہ ہر سُو کہ دویدیم ہمہ سُوئے تو دیدیم
ہر جا کہ رسیدیم سر کُوئے تو دیدیم

۲ہ ہر قبلہ کہ بگزید دِل از بہرِ عبادت
آں قبلۂ دِل را خم ابروئے تو دیدیم

۳ہ ہر سرو رواں را کہ دریں گلشن دہر است
بر رُستۂ بُستانِ لب جُوئے تو دیدیم

۴ہ از باد صبا بُوئے خوشت دوش شمیدیم
با بادِ صبا قافلۂ بُوئے تو دیدیم

۱ہ جس طرف کہ ہم دوڑے وہ تمام اطراف تیرے ہی دیکھے (یعنی سب طرف تو ہی تھا)۔ اور جس جگہ کہ ہم پہنچے وہ تمام تیری ہی گلی کا سرا دیکھا۔ یعنی ہر جا تجھے ہی پایا ؞

۲ہ جس پرستش کی جگہ کو دل نے برائے عبادت قبول کیا۔ اس دل کے قبلہ کو تیری آبرو (بھویں) کا خم دیکھا یعنی اُس جگہ تو ہی جھانکتا ہمیں نظر آیا ؞

۳ہ ہر سروِ رواں (معشوق یا پیارے) کو جو کہ اُس دُنیا کے باغ میں ہے اُس کو تیری ندی کے کنارے کے باغ کا اُگا ہوا دیکھا (یعنی جو بھی اس جہان میں پیارا نظر آیا وہ سب تیرے ہی سے ظہور پذیر ہُوا دکھائی دیا) ؞

۴ہ کل رات ہم نے بادِ صبا (مشرقی ہوا) سے تیری خوشبُو سُونگھی۔ اور اس بادِ صبا کے ساتھ تیری خوشبُو کا قافلہ دیکھا (یعنی اُس میں تیری خوشبُو بسی ہوئی تھی) ؞

۱۔ روئے ہمہ خوبانِ جہاں را بہ تماشا ؛ دیدیم ولے نہ آئینۂ روئے تو دیدیم
۲۔ در دیدۂ شہلائے بُتانِ ہمہ عالم ؛ کردیم نظر نرگسِ جادوئے تو دیدیم
۳۔ تا مہرِ رُخت بر ہمہ ذرّات نتابد ؛ ذرّاتِ جہاں را بہ تگ و پوئے تو دیدیم

———×⁂×———

راگ بھیروی۔ تال داورا

۴۔ سیر نیم سیر نیم از لبِ خندانِ تو ؛ اے کہ ہزار آفریں بر لب و دندانِ تو
۵۔ سوسن تیغے کشید خونِ سمن را بریخت ؛ تیغ بہ سوسن کہ داد؟ نرگسِ خونخوارِ تو
۶۔ آئینۂ جاں شُدست چہرۂ تابانِ تو ؛ ہر دو یکے بودہ ایم۔ جانِ من و جانِ تو

۱۔ دنیا کے تمام خوبصورت لوگوں کے چہرہ کو ہم نے دیکھا۔
لیکن تیرے چہرے کے آئینہ سے اُن کو دیکھا (یعنی اِن تمام خوبصورتوں میں تیرا ہی رُوپ یعنی نور پایا) ؛

۲۔ تمام جہان کے پیاروں (معشوقوں) کی مست آنکھ میں ہم نے جب دیکھا تو تیری جادو کی نرگس (آنکھ ہی) دیکھی ؛

۳۔ جب تک تیرے چہرے کا آفتاب تمام ذرّوں پر نہ چمکے تب تک جہان کے ذرّوں کو تیری ہی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا (یعنی) جب تک تیری شعاع نہ پڑے تب تک طالبِ حق تیرا ہی طلب گار رہے گا) ؛

۴۔ تیرے ہنسنے والے ہونٹوں سے میرا جی نہیں بھرا۔ نہیں بھرا۔ تیرے دانت و لب پر ہزار ہزار شاباش ؛

۵۔ سوسن پھول نے چمبیلی کے خون بہانے کے لئے تلوار کھینچی لیکن اُس سوسن کو تلوار کس نے دی؟ تیری خونخوار نرگس (آنکھ) نے ؛

۶۔ تیرا منور چہرہ میری جان کا آئینہ ہُوا۔ اس طرح میری جان اور تیری جان ہر دو ہم ایک ہی ہوئے ؛

مہاراجہ پرتاپ سنگھ

جموّں۔ کشمیر۔ لدّاخ (چھوٹا تبت) وگلگت وغیرہ میں ڈوگرہ حکومت قایم کرنے والے مہان ڈوگرہ حکمراں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پوتے اور "دھرم اوتار" کہے جانے والے جموّں وکشمیر ریاست کے سابق مہاراجہ رنبیر سنگھ کے بیٹے سورگیہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ جنھوں نے یُگ سنت سوامی رام تیرتھ (اُس وقت پروفیسر تیرتھ رام گوسوامی ایم۔اے) کو کشمیر کی سیر کرنے کے لئے اپنی ریاست (جموّں وکشمیر) میں تشریف لانے کا دعوت نامہ دیا۔